آج کا جرمنی اور اسلام

مسلم سجاد

مشرقی اور مغربی جرمنی کے اتحاد کے بعد جرمنی یورپ کی ایک اہم طاقت کی حیثیت سے پھر اپنا مقام بنا رہا ہے۔ مستقبل کی یک قطبی دنیا میں' جاپان کی طرح' جرمنی کو بھی اپنے مقام کی فکر ہے۔ اس کے پیش نظر ایک ایسی دنیا ہے جس میں طاقت کے دو نہیں 'کئی مراکز ہوں۔ کچھ نئے ممالک کو بھی سلامتی کونسل میں ویٹو کا حق ملے اور جرمنی کا شمار عالمی طاقت کی حیثیت سے ہو۔

اس پس منظر میں' مسلم دنیا کے لیے جرمنی کے حالات کا مطالعہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ آج وہاں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جا رہا ہے۔

مسلم دنیا اور جرمنی کے حلیفانہ تعلقات ماضی میں خوشگوار رہے ہیں۔ جنگ عظیم اول میں سلطنت عثمانیہ اور جرمنی کے باہم حلیفانہ تعلقات تاریخ کے طالب علموں کے لیے کوئی ماضی بعید کی بات نہیں ہیں۔ جرمن مستشرقین کی علمی روایت میں اسلام کے خلاف تعصب نسبتاً کم رہا ہے۔ جرمن سیاستدان بھی' جرمنی کے غیر استعماری کردار پر فخر کرتے ہیں اور مسلم اور عرب دنیا کے ساتھ' حاکم اور محکوم کے بجائے' برابری کی سطح کے تعلقات کے قائل رہے ہیں۔ گذشتہ دنوں پاکستان میں گوئٹے انسٹی ٹیوٹ نے ایک پاکستانی تحقیقی ادارے کے تعاون سے اسلام اور مغرب کے موضوع پر اہم شہروں میں سیمینار منعقد کیے اور جرمنی اور پاکستان کے اہل علم کو تبادلہ خیال کا موقع فراہم کیا۔ احیائے اسلام کی موجودہ لہر کے پس منظر میں' اسے جرمنی کی جانب سے مستقبل کے عالم اسلام کو سمجھنے کی ایک کوشش قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن خود جرمنی میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جو رویہ آج ہے' اسے بیان کرنے سے پہلے کچھ بنیادی معلومات کا علم ضروری ہے۔

مسلمان آبادی

۱۹۸۷ کی مردم شماری میں مذہب کے بارے میں بھی سوال تھا جس سے یہ معلومات حاصل

ہوئیں کہ مسلمانوں کی کل آبادی ۱۶لاکھ ۵۱ ہزار ہے۔ان میں ترکوں کے علاوہ مراکشی ' تیونسی 'لبنانی ' فلسطینی اور پاکستانی بھی شامل ہیں۔ ۴۸ ہزار جرمن شہری بھی مسلمان تھے لیکن ان میں زیادہ تر وہ تھے جنھوں نے جرمن شہریت اختیار کرلی تھی ' صرف ۵ ہزار جرمن نومسلم تھے۔

۱۹۵۰ کے عشرے میں جرمن معیشت کی ضروریات پورا کرنے کے لیے مزدوروں کی حیثیت سے ترک مسلمانوں کی آمد شروع ہوئی۔ ۱۹۶۰-۶۳ میں ان کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ۱۹۷۳ میں پھر ایک لہر آئی اور اب آنے والے صرف مرد ہی نہ تھے۔خواتین بھی مزدور بھرتی ہوئیں اور اہل خانہ بھی آنا شروع ہوئے۔اس طرح جرمنی میں ترک بستیاں وجود میں آئیں۔غیر قانونی آمد میں بھی اضافہ ہوا۔ جرمنی کی صحت ' تعلیم اور دوسری معاشرتی سہولتوں پر ان کا دباؤ محسوس ہونا شروع ہوا۔

جرمنی کی حکومت نے ان تارکین وطن کو حدود میں رکھنے کی پالیسی اختیار کی ہے۔ انھیں 'مہمان کارکن ' کہا جاتا ہے۔کبھی کبھی واپسی کے لیے بھی اقدامات کیے جاتے ہیں۔انھیں جرمن شہریوں کے برابر سہولتیں اور حقوق نہیں دیے جاتے۔بلدیاتی سطح پر ووٹ کا حق دینے کی بھی مزاحمت کی جاتی رہی ہے۔

جرمنی کا دستور اور مذہب

جرمنی کا دستور جسے 'بنیادی قانون 'کہا جاتا ہے عبادت ' تعلیم اور انجمن سازی کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔فرانس اور ہالینڈ کے برخلاف ' یہ مذہب کے معاملات میں غیر جانبدار ہے۔یہودی ' کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عبادت گاہوں کو کارپوریشن کی حیثیت حاصل ہے ' اور حکومت چرچ کے ممبران سے ٹیکس جمع کر کے 'اپنے سروس چارجز منہا کر کے ' رقم چرچ کے حوالے کر دیتی ہے۔چرچ اور حکومت تعلیم 'صحت اور معاشرتی بہبود کی دیگر سرگرمیوں میں قریبی تعاون کرتے ہیں۔ سرکاری خرچ پر چلنے والے ۸۰ فیصد نرسری اسکولوں کا انتظام چرچ کے سپرد ہوتا ہے۔

مسلم تنظیمیں

جن مذہبی گروہوں کو اس طرح کی حیثیت حاصل نہیں ' وہ انجمن سازی کے قواعد کے تحت آزادانہ سرگرمیاں کر سکتی ہیں۔ مسلمان بالعموم رجسٹرڈ تنظیموں اور فاؤنڈیشن کی شکل میں کام کرتے ہیں۔ان کی تمام سرگرمیاں ان کے دائرہ کار میں آجاتی ہیں۔سب سے اہم تو مسجد کا نظم ہے۔دوسری جنگ کے بعد فرینکفرٹ اور ہیمبرگ میں سب سے پہلے احمدیوں نے عبادت گاہیں قائم کیں۔ ۵۰ کے عشرے میں آنے والوں کی ضرورت کے تحت گیراجوں ' فلیٹوں اور کمروں میں مسجد کا نظم قائم کیا جانے

لگا۔ صنعتی علاقے RUHR میں ڈسبرگ میں ۸ فی صد مسلم آبادی ہے۔ پہلی مسجد ۱۹۷۲ میں قائم ہوئی اور اب ۳۰ سے زائد ہیں۔

مسلمانوں میں کام کرنے والی بیشتر تنظیمیں ترک ہیں۔ سب سے اہم حکومت ترکی کی سرپرستی میں کام کرنے والی DITIB ہے جو نصف سے زائد مسجدوں کا نظم و نسق چلاتی ہے۔ ۱۹۸۱ کے ایک اندازے کے مطابق ترک مسجدوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ دوسرے نمبر پر AMGT ہے جسے رفاہ پارٹی کا نمائندہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد VIKZ ہے، جسے ترکی میں سلیمانیہ کہا جاتا ہے۔ قرآنی اسکول ان کی خاص سرگرمی ہے۔ سعید نورسی کے پیروکاروں کی نوری تنظیمیں بھی ہیں۔ غیر ترکی انجمنوں میں دو عرب تنظیمیں ہیں جن کے صدر دفاتر آخن اور میونخ کے اسلامی مراکز میں ہیں۔ ہیمبرگ کا اسلامی مرکز ایرانیوں کا ہے۔ اس کے علاوہ کوسوو، بوسنیا اور پاکستان و بھارت کے مسلمانوں کی انجمنیں بھی ہیں۔ کوئی ایسی چھتری نہیں ہے جس کے تحت یہ سب کام کرتی ہوں، ایک فیڈریشن قائم کی گئی ہے۔

جرمن مسلمانوں کی سرگرمیاں

جرمن نومسلموں کی سرگرمیاں بھی قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۷۶ کے بعد سے ہر سال قومی سطح پر اسمبلی ہوتی رہی ہے۔ اب شرکا کی تعداد میں اضافہ کی وجہ سے، علاقائی سطح پر ہر سال مزید تین کانفرنسیں ہوتی ہیں۔ یہ صرف جرمن بولنے والے مسلمانوں کے لیے ہوتی ہیں اور جرمن مسلمان ہی اس کا انتظام و انصرام کرتے ہیں۔ ۷۶ کے پہلے اجلاس میں حاضری ۳۰ تھی، مگر اب سیکڑوں میں ہونے لگی ہے۔ جرمن معاشرہ کے تقاضوں کے تحت اور مقامی سطح پر زیادہ قریب جانے کے لیے اب ملک تین مختلف علاقوں میں جو پروگرام ہوتے ہیں، ان میں حاضری ۱۰۰ تک رہتی ہے۔ قومی سطح کے اجلاس میں ۵۰۰ تک افراد جمع ہوتے ہیں۔ ۸۰ کے عشرے کے اوائل سے اہم اسلامی ایام منانے کے عنوان سے دعوتی سرگرمی کی جاتی ہے۔ کسی اہم شہر میں ایک ہفتہ مناتے ہیں جہاں نمائش، تقاریر اور دیگر ذرائع سے قریب رہنے والے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ ایک آزاد ادارہ 'ہاؤس آف اسلام، جرمن زبان میں دعوت و تربیت کا کام کر رہا ہے۔

خلیج کی جنگ کے بعد

امت کے ایک جزو کی حیثیت سے جرمنی کے مسلمان بھی عالمی سطح پر مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل و واقعات سے متاثر ہوتے ہیں۔ خلیج کی جنگ کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کے ایسا طوفان اٹھا جس کے سامنے دعوتی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ بعض اوقات اس کا یہ فائدہ بھی ہوا

کہ زیادہ لوگوں نے براہ راست معلومات حاصل کرنے کے لیے قرآن کے تراجم حاصل کیے لیکن بحیثیت مجموعی اس مہم نے مسلمانوں سے فاصلے بڑھا دیے' تعصبات کو مضبوط کر دیا اور بے اعتمادی اور دشمنی کا ماحول پیدا کر دیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمان خصوصاً عرب' راہ چلتے جملہ بازی اور حملوں کا نشانہ بنے' پولیس تفتیش کے مراحل سے گزرے اور خفیہ پولیس کی نگرانی ہونے لگی۔ جرمنی یا یورپ میں کوئی جنگ نہ تھی' خلیج کی جنگ میں جرمن سپاہی بھی نہیں لڑ رہے تھے' لیکن پھر بھی حکومت اور عوام کے بہت بڑے طبقہ کی نظروں میں مسلمان کو دشمن کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ نسلی تعصب اتنا بڑھا کہ گھروں پر حملے ہوئے' ایک ترک گھرانہ جلا دیا گیا' لیکن اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے بجائے معاشرہ نے بحیثیت مجموعی اسے قبول کر لیا۔ پولیس نے بھی خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا۔

میڈیا مہم

خلیج کی جنگ نے جیسے پورا منظرنامہ تبدیل کر دیا۔ ذرائع ابلاغ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے اور جھوٹے الزامات کی مسلسل مہم میں مصروف ہیں' اور اب تو بیشتر سیاستدان اور اہل علم بھی جیسے اس کے اسیر ہو گئے ہیں۔ سیاسی اور ثقافتی قائدین' فرانس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے' سیکولرزم کے عقیدہ کے محافظ بن گئے ہیں۔ اس سے قبل ایک عام جرمن باشندہ دلچسپی' ہمدردی اور دوستی کا رویہ رکھتا تھا لیکن میڈیا مہم نے اسے بھی بدل کر رکھ دیا ہے۔ نشریاتی لہریں جو کبھی دوستی کے پیغام لے جاتی تھیں اب نفرت اور دشمنی کی صداؤں اور مناظر سے بھری ہوئی ہیں۔ کوئی دن نہیں گزرتا کہ جرمن ذرایع ابلاغ اپنے کروڑوں ناظرین و سامعین کو یہ نہ جتاتے ہوں کہ سرخ خطرہ کے بعد اب انھیں سبز خطرے کی فکر کرنا ہے۔ جرمن صحافی اور نامہ نگار Feinbild Kommnnismus (دشمن کمیونزم) کی جگہ Feinbild Islam (یعنی دشمن اسلام) کی تصویر کے نقش و نگار پیش کرنے کو سب سے اہم فریضہ تصور کرتے ہیں۔ ان کی نظروں میں اسلام ایک جامد اور قدیم مذہب ہے' جس کا آج کی دنیا میں کوئی مقام نہیں۔ یہ بتانے کا کوئی موقع جانے نہیں دیا جاتا کہ مسلمان وحشی ہیں' کسی پولیس اسٹیٹ کی سفاک پالیسیوں کو شریعت کے مترادف قرار دیا جاتا ہے' امت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان سب کچھ تباہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔

حال ہی میں جرمنی کے سب سے بڑے نشریاتی چینل Bayern-3 پر سوڈان پر ایک رپورٹ پیش کی گئی' جس میں جنوب کے پیچیدہ مسئلے کو عیسائی مسلمان صلیبی جنگ کے طور پر پیش کیا گیا' اور رپورٹر نے کامل یقین کے ساتھ بتایا کہ یہاں اسلامی بنیاد پرست نسل کشی کر رہے ہیں اور عیسائیوں کو غلام بنانے کے لیے زبردستی مسلمان کر رہے ہیں۔ انھی دنوں جرمن ٹیلیویژن RTL پر ایک پروگرام

Terror Im Namen Allahs پیش کیا گیا۔ اس کا موضوع تھا: دنیا کے تمام آزادی پسند لوگوں کے لیے ایک ایسے اسلامی بنیاد پرست گروہ کا خطرہ جو ساری دنیا کو فتح کرنا چاہتا ہے۔ جرمن ٹی وی پر "اسلام کی تلوار" کے نام سے ایک سیریز چل رہی ہے' اور روس کی سابقہ مسلم ریاستوں پر ایک دستاویزی فلم پیش کی گئی ہے۔ یہ دونوں پروگرام ایک نام نہاد ماہر اسلام Peter Scholl-Latour نے تیار کیے ہیں۔ دونوں میں بار بار یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ اسلام امن عالم کے لیے خطرہ ہے' اس کے جنونی پیروکار آزادی' عدل اور مساوات کے دشمن ہیں' اور مغرب کو پانی سر سے اونچا ہو جانے سے پہلے اسلامی طاقتوں پر حملہ کر دینا چاہیے۔ کچھ دوسرے جرمن اہل علم نے لاطور کے اس پروگرام کی مذمت کی ہے لیکن مسلمانوں کی منفی تصویر مسلسل پیش کیے جانے کا مجموعی تاثر تو نقصان دہ ہی ہے۔

Tubingen کی یونیورسٹی کے ایک حالیہ سروے میں پوچھا گیا کہ لفظ اسلام سے وہ کیا مراد لیتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ جرمن عوام کی اکثریت کے نزدیک یہ جنونیوں اور وحشیوں کا مذہب ہے۔ یہ توسیع پسندانہ' دقیانوسی' جنونی' انقلابی اور ظالمانہ ہے۔ تشدد اور عدم رواداری کا پرچار کرتا ہے۔ استبداد کا حامی ہے اور خواتین سے امتیازی سلوک کرتا ہے۔ صرف ایک اقلیت نے اسلام کو ایک قابل احترام تہذیب تشکیل دینے والا مذہب قرار دیا جس سے باطنی سکون و مسرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ مطالعہ Der Islam in den Medien یعنی میڈیا میں اسلام کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ تحقیق کاروں کی رائے میں عوام کی یہ رائے میڈیا مہم کے اثرات کی وجہ سے ہے۔

اسلام کے ماہرین سکالر

میڈیا مہم کو غذا پہنچانے والے وہ 'ماہرین' ہیں جو کسی مسئلہ پر پروڈیوسر کی رائے کی تائید میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ معروف جرمن مسلمان اسکالر امان ہاہام کے الفاظ میں "اگر آپ کو کسی ایسے اسکالر کی ضرورت ہے جو یہ بتائے کہ مسلمانوں کی کاٹنے والی جنونی کالی آنکھیں ہوتی ہیں' وہ ایک ہاتھ میں کلاشنکوف اور دوسرے ہاتھ میں قرآن لے کر چلتے ہیں تو فکر نہ کریں۔ کوئی بھی رائے ہو' کتنی ہی بے بنیاد کیوں نہ ہو' جرمن ٹی وی ایسے 'ماہر' کو تلاش کر لیتا ہے جو 'معروضی' رائے دینے کے لیے تیار ہوتا ہے"۔

جمہوریہ جرمنی کی تمام یونیورسٹیوں میں ایسے سکالر اور محققین موجود ہیں جو احیائے اسلام کے خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے مسلسل مقالے لکھ رہے ہیں۔ یونیورسٹی آف Gottingen کے پروفیسر بسام تیبی (Bassan Tibi) نے بنیاد پرست چیلنج کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ سکالر

اسلامی فکر کی مخالفت کرتا ہے لیکن اسلام کی بحیثیت مجموعی مذمت نہیں کرتا۔ اس کی رائے میں بھی اسلامی فکر کا موجودہ مرکزی دھارا اور مغرب 'تصادم کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ فکر' جدید دور کے لیے ناقابل عمل اور غیر معقول ہے۔ اس کی نظر میں جو مسلمان سیکولرزم کو مسترد کرتا ہے' وہ بنیاد پرست ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ رائے بھی پیش کرتا ہے کہ اسلام کو ۲۰ویں صدی کے تقاضوں کے تحت سیکولرزم کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے۔

اہل سیاست اور مسلمان

سیاست دانوں نے بھی گذشتہ برسوں میں مسلمانوں کے بارے میں اپنی رائے کو تبدیل کر لیا ہے۔ گذشتہ خوشگوار باتیں' اب قصہ پارینہ ہیں۔ میڈیا مہم' خفیہ رپورٹوں اور جرمن سفارتکاروں کی ارسال کردہ معلومات کی روشنی میں حکومت جرمنی کے تمام ارکان' پالیسی ساز' مشیر' منصوبہ بندی کرنے والے سب' اسلام کو ایک خطرہ تصور کرتے ہیں۔

چانسلر ہلمٹ کوہل کی سیکیورٹی پالیسی پر کانفرنس میں ایک اہم تقریر کے پیشگی متن کی بنیاد پر' جو بعد میں تبدیل بھی کر دیا گیا' سب سے بڑے اخبار Die Welt نے سرخیاں لگا دیں کہ چانسلر بنیاد پرستی کے خطرہ کو سنجیدگی سے لے رہے ہیں اور یورپ میں اسلامی توسیع پسندی کے مقابلے کے لیے تیار ہیں۔ خفیہ رپورٹوں کے مطابق بحیرہ روم کے ساحل پر بنیاد پرست اسلحہ کے انبار لگا رہے ہیں تاکہ یورپ کے مرکز میں مذہبی جنگ لڑی جائے۔ اس کے خلاف فرانس سے مل کر کارروائی کرنے کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔ ایک دوسرے اخبار کے مطابق' کلنٹن سے کوہل کی ملاقات میں اسلامی دنیا کے امور سرفہرست تھے۔ دونوں رہنما اس پر متفق تھے کہ اسلامی بنیاد پرستی سے دوہرا خطرہ ہے' شمالی افریقہ کی حکومتوں کو' اور یورپ کی سلامتی کو۔

جرمن دستور اور اسلام

لیکن سیاسی نقطہ نظر سے' سب سے زیادہ خطرناک بات تمام سیاسی پارٹیوں کی طرف سے اس رائے کا اظہار ہے کہ اسلام اور قرآن متحدہ جرمنی کے عارضی دستور The Grundgesets کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ جرمنی کے ماہرین دستور نے اسلام پر تفصیلی بحث میں کہا ہے کہ قرآن کا عورتوں کو صحیح مقام نہ دینا' شریعت کی قرون وسطیٰ کی سزائیں' مرتدین کے لیے اس کی سزائے موت اور کفار کے ساتھ اس کی عدم رواداری کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کو سرکاری طور پر تسلیم نہ کیا جائے۔ اگر یہ نقطہ نظر سرکاری پالیسی بن گیا تو جرمنی کے ۵ لاکھ مسلمانوں کے لیے جرمن شہری کی حیثیت سے اپنے

جائز حقوق حاصل کرنے کی کوششوں کو شدید نقصان پہنچے گا۔ اس کے اثرات ۵ لاکھ بچوں پر ہوں گے جنھیں ان کے مذہب کی تعلیم نہ دی جاسکے گی۔ اس وقت مسلمان بچوں کی اپنے اسکول میں اپنے مذہب کی تعلیم کا استحقاق حاصل ہے لیکن اگر ان کے نصاب' جرمنی کے آزاد جمہوری ڈھانچہ کے اصولوں کے مطابق نہ ہوں تو یہ سہولت واپس لی جاسکتی ہے۔ اس کے دیگر اثرات بھی ہوں گے۔ مساجد اور اسلامی مراکز کی تعمیر کی اجازت ملنے میں دشواری ہوگی۔ جرمن مسلمانوں کو ملازمت کے حصول میں مسائل پیش آئیں گے۔ اس کے علاوہ مسلمان گھروں اور دوکانوں کو جلانے اور لوٹنے کے واقعات' مساجد پر حملوں اور بم دھماکے جو اب بھی خبروں کا مستقل موضوع ہیں' بڑھ جائیں گے۔

سوشل ڈیماکریٹک پارٹی کے ایک اہم ممبر نے مطالبہ کیا ہے کہ جرمن سفارتکاری کی حیثیت سے کام کرنے والے مسلمانوں کو واپس بلایا جائے۔ ڈاکٹر ولفرڈ مراد سفیر ہیں' انھوں نے ایک کتاب اسلام ایک متبادل Der Islam as alternative لکھی ہے۔ اس ممبر نے ان پر بنیاد پرست نظریات رکھنے کا الزام لگاتے ہوئے انھیں واپس بلانے کا مطالبہ کیا۔

یہی وجوہات ہیں' اور اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے' کہ کئی سیاستدان مسلمانوں کو یورپی یونین سے باہر رکھنا چاہتے ہیں۔ جرمنی کے ایوان زیریں میں قائد ایوان Wolfgang Schauble نے واضح طور پر کہا ہے کہ یونین کی ممبرشپ غیر عیسائیوں کے لیے نہیں ہے۔ یورپ کے افق پر چرچ کے spiral ہیں نہ کہ مسجدوں کے مینار۔

چه باید کرد

اس صورت حال میں' جرمنی کے مسلمان عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ میڈیا انھیں ففتھ کالمنسٹ قرار دے رہے ہیں اور جرمن معاشرہ کی ایک محدود' تشدد پسند اقلیت مسلمانوں کے خلاف نفرت کی مہم چلا رہی ہے۔ مسلمان خود کو اس کا مقابلہ کرنے کے' یا اس کے محض اثرات دور کرنے کے بھی قابل نہیں پاتے۔ اس سے احساس عدم تحفظ میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی میڈیا میں اپنی بات کہنے کی کوششیں بار آور نہیں ہوتیں۔ بس' ہیمبرگ اور Tubingen کی یونیورسٹیوں کے چند اہل علم' مسلمانوں کے حق میں انصاف کا پرچم اٹھائے ہوئے ہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ یہ سب کچھ کسی سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ہو رہا ہو اور کسی ایک جگہ سے تار ہلائے جا رہے ہوں۔ اصل وجہ بڑے پیمانے پر ناواقف ہونا اور سچ معلوم کرنے کے لیے کسی مضبوط داعیہ کا نہ ہونا ہے۔ اس وقت بھی مختلف سطحوں پر جرمن مسلمان اور عام جرمنوں میں خوشگوار تعلقات قائم ہیں۔ سیاسی قائدین میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو مسلم دشمن خیالات نہیں رکھتے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مختلف ذرائع اختیار کر کے 'اور وسائل فراہم کر کے 'اسلام کی حقیقی دعوت کا موثر طور پر ابلاغ کیا جائے ۔ سید مودودی ؒ نے فرمایا تھا کہ دشمن جب ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کرتا ہے 'تو آدھا کام تو کر دیتا ہے ۔ ہمارا نام پہنچ جاتا ہے اور ہمیں پہنچ کر صرف اپنا صحیح تعارف کروانا ہوتا ہے ۔ شاید جرمن معاشرہ میں 'یورپ کے موجودہ حالات اور موجودہ عالمی پس منظر میں یہ اتنی آسان بات نہیں 'لیکن حالات کی بہتری کی صورت یہی ہے کہ ایک طرف جرمنی میں موجود مسلمان اپنی ابلاغی طاقت میں اضافہ کریں اور دوسری طرف عالم اسلام بھی اسلام کی بہتر اور حقیقی تصویر پیش کرے ۔ مغرب کے ذرائع ابلاغ کو ہم کچھ بھی کہیں لیکن جب وہ مسلمانوں کے خلاف مہم چلاتے ہیں تو وہ سو فیصد جھوٹ نہیں ہوتی ۔ کچھ لوازمہ آج کے مسلمان بھی فراہم کرتے ہیں ۔ مسلمان ملکوں میں غلبہ اسلام کے لیے کام کرنے والوں کو بھی اس پہلو کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ آج کے عالمی گاؤں میں 'ہر خبر اور ہر واقعہ 'ہر جگہ ردعمل رکھتا ہے ۔

اس مضمون کی تحریر میں درج ذیل سے مدد لی گئی ہے ۔

1- Jorgen Nielsen, Muslims in Western Europe, Edinburgh; Edinburgh University, 1992

2- Ahmad Von Denffer, Paper read at the Islam in Europe Conference, Islamic Foundation, Leicester 5 SEP, 92

3- Aman Hobbom, Special relationship flawed by misperception, the Impact International, london, Vol 25, No.1, Jan 1995.